الشیخ المراغی اور ان کی تفسیری خدمات

ڈاکٹر جمیلہ شوکت*

انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین مصر کے آسمان علم و ادب پر دین' معاشرت اور سیاست کے میدان میں جو شخصیتیں نمایاں ہوکر ابھریں ان کے سرخیل محمد عبدہ تھے۔ محمد عبدہ کی ہمہ گیر شخصیت نے مصر کی دینی' سماجی اور سیاسی زندگی میں صحت مند اور ہمہ گیر انقلاب پیدا کیا۔ نوجوان طالب علموں کا ایک گروہ اس مصلح کی آراء و افکار اور اصلاحی پروگرام سے حد درجہ متاثر ہوا اور ان کے حلقہ عقیدت میں شامل ہوگیا۔ ان نوجوان شاگردوں میں سے بعض نے محمد عبدہ کے اصلاحی پروگرام کو نہ صرف عملی صورت دینے کی بھرپور سعی کی بلکہ اس کو پورے خلوص اور دیانت داری کے ساتھ آگے بھی بڑھایا اور یوں مصر کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل کیا۔ ان ہی شخصیات میں سے ایک اہم اور قابل تکریم ہستی الشیخ محمد مصطفیٰ المراغی کی تھی۔ اس وقت ہم اختصار کے ساتھ ان کی زندگی کے حالات اور تفسیر کے سلسلے میں ان کی خدمات کا جائزہ لیں گے۔

محمد مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمنعم المراغی ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء میں مراغہ کے ایک متدین اور علم دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔[۱] ان کے آباء و اجداد اپنی دیانت اور تقویٰ شعاری کی وجہ سے اہل قریہ میں محترم و معزز گردانے جاتے تھے۔ شیخ مراغی کے والد مراغہ کے قاضی تھے۔[۲] انہوں نے اپنے اس بچے کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دی اور وہاں کی مروجہ روایت کے مطابق تعلیم کا آغاز کلام پاک سے ہوا والد نے اس دوران بیٹے کو دیگر علوم سے بھی متعارف کرایا۔ قرآن حکیم پڑھنے کے بعد انہیں طنطا بھیج دیا گیا اور کچھ عرصہ وہاں تعلیم حاصل کی۔ پھر جلد ہی عازم قاہرہ ہوئے اور مصر کے مشہور دینی ادارے جامعہ الازہر میں داخلہ لیا۔[۳] ان دنوں محمد عبدہ الازہر میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مراغی ان کے طریق تدریس سے بہت متاثر ہوئے اور جامعہ الازہر اور اس سے باہر کے ان کے تمام دروس میں شریک ہوئے۔

---

* پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی

محمد عبدہ کے یہ لیکچر بالخصوص علم بلاغت، تفسیر، تاریخ اسلام اور علم معاشرت پر ہوتے تھے۔[۴] یوں مراغی اپنے استاد کے مکتب فکر سے وابستہ ہوگئے۔ مصطفیٰ المراغی بچپن ہی سے ذہین و فطین تھے، اور انہوں نے نہایت محنت اور لگن سے علم کی منازل طے کیں اور بالاخر ۱۹۰۴ء میں جامعہ الازہر کی اعلیٰ تعلیمی سند حاصل کی۔[۵] انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ الازہر کی تاریخ میں اس ڈگری کو حاصل کرنے والوں میں سب سے کم عمر طالب علم تھے۔[۶]

مصطفیٰ المراغی نے "العالمیۃ" کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عملی میدان میں قدم رکھا۔ الازہر کے قواعد کے مطابق اعزاز کے ساتھ ڈگری حاصل کرنے والے طالب علم کو الازہر ہی میں تدریس کے فرائض سونپے جاتے تھے۔ لہٰذا المراغی بھی اگست ۱۹۰۴ء میں اسی ادارے سے منسلک ہوگئے اور اکتوبر ۱۹۰۶ء تک یہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔[۷]

نومبر ۱۹۰۴ء / ۱۳۲۲ھ میں دنقلہ (سوڈان) کے قاضی مقرر ہوئے۔[۸] اس عظیم اور باہمت عالم نے اس پسماندہ علاقے میں عہدۂ قضا قبول کیا اور بہت جلد اپنی فرض شناسی اور دیانت کی بدولت دنقلہ کے عوام میں ہردلعزیز ہوگئے۔ ۱۹۰۶ء میں بحیثیت قاضی ان کا خرطوم تبادلہ ہوگیا۔[۹] سوڈان کے قاضی القضاۃ سے بعض اختلافات کی بنا پر ۱۹۰۷ء میں مصر واپس آگئے اور اسی سال مصر کی وزارت اوقاف کے مدیر مقرر ہوئے اور الازہر میں بھی تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔[۱۰]

۱۹۰۸ء میں بعض شرائط کے ساتھ سوڈان کے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کیا۔[۱۱] اس منصب پر فائز ہونے کے بعد مراغی نے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی اور ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب انہوں نے انگریزی زبان سیکھی۔[۱۲] شیخ نے بحکمہ قضاء میں بعض بنیادی اور دور رس تبدیلیاں کیں۔ شرعی فیصلوں میں جمود کو ختم کیا، کسی ایک مذہب کا پابند ہونے کے بجائے حالات و ضرورت کے مطابق مختلف مذاہب کے مطابق فیصلے دیئے۔[۱۳] شخصی احوال کی تنظیم نو کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ قانون کے صحیح نفاذ کے لیے قاضی کے فرائض اور اس کے کردار کی اہمیت کو متعین کیا۔ فرماتے ہیں:

ان اصلاح القانون اصلاح لنصف القضاء اما اصلاح النصف الآخر فهو بيد القاضي نفسه، لان عليه ان يفهم الوقائع اولا كماهي بعد تلمس ادلتهاو نقدها و الموازنة بينها [۱۴]

یعنی قضا اور فیصلوں کی اصلاح کا نصف حصہ قوانین کی اصلاح پر منحصر ہے جب کہ دوسرے نصف کا مدار خود قاضی کی ذات پر ہے۔ قاضی پر لازم ہے کہ وہ دلائل کو

سنے' ان پر نقد و جرح کرنے اور موازنہ کرنے سے پہلے حالات و واقعات اور حادثات کو اچھی طرح سمجھے۔

سوڈان میں طویل قیام کے بعد ۱۹۱۹ء میں مصر واپس آئے اور ۱۹۱۹ء کی اس تحریک میں بھی حصہ لیا جو مصریوں نے اپنے حقوق کی بازیافت کے لیے چلائی تھی۔[۱۵] اس کے بعد مصر میں مختلف عدالتی مناصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۳ء میں المحکمة العلیا الشرعیه (اعلیٰ شرعی عدالت) کے رئیس و امیر مقرر ہوئے۔[۱۶] اسی عرصے میں حکومت کو الازہر کے معاملات حل کرنے اور ان کے مطالبات پر غور کرنے کے لیے ایک کمیشن مقرر کرنا پڑا' مصطفیٰ المراغی کو بھی اس کا رکن منتخب کیا گیا۔[۱۷] بحیثیت رکن انہوں نے الازہر کی بہتری اور تعمیر کے لیے ٹھوس تجاویز پیش کیں اور بالآخر ۱۹۲۸ء میں وہ شیخ الازہر مقرر ہوئے۔[۱۸] اس دور میں انہوں نے الازہر کے تعلیمی' تنظیمی اور مالی معاملات کی اصلاح کی طرف توجہ دی اور محمد عبدہ کے اصلاحی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں الازہر نے جو ایک قدامت پسند ادارہ تھا ترقی کے مراحل طے کرنے شروع کردیئے۔ وہ علوم جو الازہر کے طالب علموں کے لیے شجر ممنوع تھے ان کا اجراء کیا اور ان کے درس و تدریس کا اہتمام ہوا۔ اس کے علاوہ یہاں کے طلبا کو مغربی تعلیمی اداروں میں بھیجا گیا۔ مراغی نے اگر ایک طرف عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اصول و ضوابط میں ترمیم و تبدیلی کی تو دوسری طرف اسلامی علوم و معارف کو ان کا صحیح مقام دیا اور ان کی تحصیل اور اسلام پر عمل پیرا ہونے کو مسلمان کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا ضامن قرار دیا۔ الازہر کے قدامت پسند طبقے نے ان اصلاحات کو اسلام کے خلاف سازش قرار دیا اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ مراغی نے اس طبقے کی نکتہ چینی سے زچ ہوکر استعفیٰ دے دیا۔[۱۹]

مراغی تو ایک مختصر عرصے کے لیے الازہر کے شیخ رہے لیکن ان کی اصلاحات اور کارناموں کی وجہ سے یہ عرصہ الازہر کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مراغی کے استعفیٰ کے بعد الازہر کی حالت دگرگوں ہوگئی اور بالآخر یہ بات سامنے آگئی کہ الازہر کو مراغی کی ضرورت ہے۔[۲۰] ارباب بسط و کشاد نے ان کو دوبارہ اس عہدۂ جلیلہ پر لانے کی سعی کی اور اس طرح ۱۹۳۵ء / ۱۳۵۴ھ میں وہ دوبارہ عزت و اکرام سے اس منصب پر فائز ہوئے۔[۲۱] الازہر تاریخ کے نئے دور میں داخل ہوا۔ اس موقع پر المراغی نے ایک جامع خطاب کیا جس میں انہوں نے اصلاح کے مقاصد کو واضح کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ امت مسلمہ جو علوم و معارف میں مغربی اقوام سے پیچھے رہ گئی ہے اس کمی کو پورا کرے' کتاب و سنت کو سیکھے' اسلاف کے علمی ذخیرے کی چھان بین کرے اور اسے منظر عام پر لائے۔ انہوں نے اسلام کو اس کے حقیقی رنگ میں پیش کرنے پر زور دیا اور اہل علم

لو مذہبی تعصبات و اختلافات کو ختم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔[۲۲]

مراغی اور محمد عبدہ

المراغی اپنے استاد محمد عبدہ کے فکر اور طریق اصلاح سے بہت متاثر تھے۔ مسند درس و تدریس ہو یا کرسی عدل و انصاف مراغی نے استاد کی طرح ہر موقعے پر امت مسلمہ کے لیے دعوت و ارشاد اور اصلاح کو مدنظر رکھا۔ استاد اور شاگرد کے اس قریبی تعلق اور اثر پذیری کی تائید اہل علم کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں متعین سفیر افغانستان سید مجددی کا قول ہے۔

ان الشیخ المراغی کان خلاصة علوم و افکار الشیخ محمد عبده[۲۳]

شیخ مراغی اپنے استاد محمد عبدہ کے افکار و علوم کا نچوڑ اور عطر تھے۔

الشیخ محمد شلتوت فرماتے ہیں:

ان الشیخ المراغی ماخرج بروحه و عقله و تفکیره عن ان یکون تلمیذ الاستاذ الامام عبده[۲۴]

شیخ مراغی علم و فہم اور عقل اور فکر کے اعتبار سے صحیح معنوں میں محمد عبدہ کے شاگرد تھے۔

وہ جب دنقلہ (سوڈان) اور مصر کی مسند انصاف پر متمکن تھے اس وقت بھی انہوں نے استاد کی اس نصیحت کو پیش نظر رکھا:

انصحک ان تکون الناس مرشدا اکثر من ان تکون قاضیا واذا استطعت ان تحسم النزاع بین الناس بصلح فلا تعدل عنه الی الحکم فان الاحکام سلاح یقطع العلاقات بین الامیر' والصلح دواء تلتئم به النفوس و تداوی به الجراح[۲۵]

کرسی عدالت پر ایک قاضی اور منصف سے زیادہ صلح کے فرائض سر انجام دینا زیادہ بہتر ہے۔ اگر لوگوں کے جھگڑے اور نزاعات آپس میں صلح و صفائی سے طے ہوسکتے ہوں تو قانون کا سہارا نہ لیا جائے کیونکہ بعض اوقات قوانین و احکام کے نفاذ و اجراء سے خاندانی تعلقات و روابط مجروح ہوتے ہیں جب کہ صلح و صفائی ایک ایسی دوا ہے جو دلوں کو باہم جوڑتی اور زخموں کا مداوا بنتی ہے۔

المراغی اور سیاست

شیخ مراغی دین و سیاست کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے' جیسا کہ محمد عبداللہ السمان کہتے ہیں کہ

مراغی کے دینی پہلو کو سیاست سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔[۲۶] شیخ کے سیاست میں حصہ لینے کا اصل محرک دین و سیاست میں تفریق کے رجحان کو ختم کرنا تھا۔ السمان کہتے ہیں:

کان حریصا علی ان تظل الدولة جزءا من الاسلام ولیس الاسلام عالة علی الدولة[۲۷]

ان کی خواہش تھی کہ حکومت' اسلام کا حصہ بنے نہ کہ اسلام حکومت کا محتاج اور ضرورت مند ہو۔

بعض گوشوں سے ان کی سیاست میں شمولیت پر اعتراض کئے گئے جیسا کہ المجددون فی الاسلام کے مولف کہتے ہیں:

وماکان احسن له لونزک الاشتغال بهذه السیاسة وانصرف الی اصلاح الازهر علی نحوما اراد فی المرة الاولی الاشتعال بالسیاسة لم یکن من شانه[۲۸]

کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ سیاست میں حصہ نہ لیتے اور الازھر کی اصلاح کا کام اسی طریق پر کرتے جس طریق پر پہلی دفعہ کیا تھا' کیونکہ سیاست میں حصہ لینا مراغی ایسی شخصیت کو زیب نہیں دیتا۔

سیاست میں ان کی بصیرت و مہارت کا اندازہ استاذ عباس العقاد کے اس قول سے ہوجاتا ہے وہ کہتے ہیں:

اظن ان الشیخ المراغی تمکنه من العلوم الدینیة خلق للسیاسة وتنظیم الادارة[۲۹]

میرا خیال ہے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ مراغی کو دینی علوم پر قدرت حاصل تھی' لیکن دراصل وہ سیاست اور معاملات کی تنظیم کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

خدمات دین

المراغی کا یہ کارنامہ اور خدمات سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں کہ انہوں نے اپنی ساری عمر دین کی سربلندی اور مسلمانوں کی خدمت میں گزاری۔ نئی نسل کو دین کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہیں حصول علم کی ترغیب دلائی' وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ان کے ذہنوں کی آبیاری کی۔ قرآن و سنت کی تعلیم پر زور دیا اور واضح کیا کہ ان کی تعلیم کا مقصد بندے اور رب کے درمیان رابطہ اور تعلق کو مضبوط کرنا ہے۔ امت مسلمہ کی وحدت پر زور دیا اور اس نکتے کو واضح کیا کہ معاشرے میں جو بہت سے گروہ اور فرقے مذہب کے نام پر وجود میں آگئے ہیں وہ امت کی وحدت کے تارپود کو بکھیرنے اور شیرازے

کو منتشر کرنے والے ہیں۔ معاشرے سے کینہ، بغض، حسد اور عداوت ایسی بیماریاں اتحاد کی صورت میں دور ہوسکتی ہیں۔ فرماتے ہیں:

یجب العمل علی ازالة الفروق المذهبية اوتضييق شقة الخلاف بينهما فان الامة فی محنة من هذا التفرق ومن العصبية لهذه الفرق (۳۰)

وحدت امت کے لیے ضروری ہے کہ مذہبی فرقوں کو ختم کیا جائے یا ان کے درمیان اختلاف کم کیا جائے کیونکہ ان فرقوں کے تعصب نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا ہے۔

انہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعے مختلف انداز اور طریقوں سے امت مسلمہ کو یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کی سربلندی کا راز احکام الٰہی کی پیروی میں منحصر ہے۔ کہتے ہیں:۔

لوگوں نے جب تک قرآن کے احکام پر عمل کیا سعادت و خوش نصیبی ان کو حاصل رہی اور جب وہ اس سے دور ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں ان پر ذلت و بے کسی طاری کردی اور ان کی یہ حالت ہوگئی کہ لوگوں سے معمولی باتوں میں بھی خوف کھانے لگے اور زندگی کے تمام معاملات میں اغیار کے محتاج ہوگئے۔ رفتہ رفتہ وہ اس حالت تک پہنچ گئے کہ ان کا یہ ایمان ہوگیا کہ جو قوانین معاشرت و اخلاق دوسروں کے پاس ہیں وہ صحیح ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا ہے وہ غلط ہے۔ ان کی زندگی اور ترقی کا دارومدار صرف اغیار کی پیروی میں مضمر ہے۔ ایسے مسلمان اسلام کے نام پر ایک بدنما داغ ہیں اور دین اسلام ان کے اس غلط طرز عمل سے بری ہے۔ (۳۱)

اسلام کی حدود و قیود سے بیزار طبقے پر وضاحت کرتے ہیں کہ اسلام زندگی کے تمام معاملات میں حریت و آزادی کا علمبردار ہے، لیکن چوپاؤں اور بہائم کی سی آزادی اس کا مقصود نہیں۔ وہ ایسی آزادی کا ضامن ہے جو بنی نوع انسان کی دینی اور دنیوی فلاح و کامرانی کا ضامن ہو۔ (۳۲)

وفات

یہ عظیم مصلح اور اجل عالم وفات سے کچھ دن قبل بغرض آرام ہسپتال میں داخل ہوئے، لیکن یہاں بھی فرائض منصبی سے غافل نہ رہے اور حسب سابق ان دنوں میں بھی دروس قرآن دیتے رہے۔ اچانک ۱۴ر رمضان ۱۳۶۴ھ (۲۲ اگست ۱۹۴۵ء) کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ انہیں قاہرہ میں سیدہ نفیسہ کے مقبرے کے نزدیک دفن کیا گیا۔ (۳۳) شیخ مراغی کی وفات عالم

اسلام بالخصوص اہل مصر کے لیے سانحہ عظیم تھی اہل مصر نے اپنے اس عظیم اور ہمدرد راہنما کو اس کے شایان شان خراج عقیدت پیش کیا۔(۳۴)

تصانیف

المراغی نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ یہ تصانیف' دین اور ادب دونوں سے متعلق ہیں' جن میں سے چند یہ ہیں مباحث لغویہ بلاغیۃ' کتاب الاولیاء والمحجورین' بحوث فی التشریع الاسلامی' الاجتہاد فی الاسلام' الزمالۃ الانسانیۃ' بحث فی ترجمۃ القرآن الی اللغات الاجنبیۃ واحکامھا۔ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں اور آیات کی تشریح و تفسیر۔ سورۃ لقمان' الحدید اور العصر پر مشتمل مجموعہ تفسیر حدیث رمضان کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔

خدمات تفسیر

المراغی نے عام مفسرین کے نہج پر پورے قرآن حکیم کی تفسیر نہیں کی بلکہ صرف ان سور و آیات کو موضوع بحث بنایا جن میں ان کے نقطہ نظر سے نوع انسانی کے لیے عبرت و موعظت کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عظمت پر دلالت کرتی ہیں یا جن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلام علوم جدیدہ کی تحصیل پر زور دیتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ یہ تفسیری اسباق بالعلوم ماہ رمضان میں ہوتے اور مختلف مساجد میں ان کا انعقاد کیا جاتا۔ ان کے یہ تفسیری دروس اتنے پرمغز' جامع اور نافع ہوتے کہ عوام سے لے کر خواص اور حکام وقت بھی ان میں شرکت کرتے۔ یہ اسباق ریڈیو پر نشر ہوتے اور اس طرح مصر اور مصر سے باہر وہ لوگ بھی مستفید ہوتے جو ان میں شرکت سے محروم رہتے۔ گو کہ المراغی کا تفسیری سرمایہ حجم و کمیت کے اعتبار سے بہت تھوڑا ہے لیکن جب ہم اس کے اثرات پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا تردد کہنا پڑتا ہے کہ اثر آفرینی کے اعتبار سے یہ ایک عظیم کارنامہ ہے۔ محمد حسین الذہبی اسی کمیت اور کیفیت پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے بہت بڑا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔(۳۵)

احمد مرتضیٰ المراغی ان کے مقصد اور طرز تفسیر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "المراغی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ تفسیر صحیح معنوں میں قرآن حکیم کی وضاحت کرنے والی اور اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھانے والی ہو اور اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو قرآن کے جمال اور جلال کو قائم و باقی رکھیں اور غیر ضروری

نیز غریب الفاظ سے پاک ہو۔(۳۶)

شیخ شلتوت رقم طراز ہیں کہ المراغی کی تفسیر نے لوگوں کی صحیح راہنمائی کی اور انہیں دین کی طرف مائل کیا اور وہ ہدایت و نور کا منار ثابت ہوئے۔(۳۷)

مصطفیٰ محمد الحدیدی ان کے تفسیری محاسن کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ان کے دروس سے کوئی اکتاتا نہیں، طبیعتیں ان کے محاسن اور بدائع کو بغیر کسی اکراہ کے قبول کرتی اور روح کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان محاسن کی وجہ سے اگر لوگ ان میں جوق در جوق شریک ہوتے اور اپنا مقصد حاصل کرتے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔(۳۸)

مصادر تفسیر

المراغی کے مصادر تفسیر میں سرفہرست قرآن حکیم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال و آثار صحابہ و تابعین تھے۔ سب سے پہلے وہ آیت کی تفسیر کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے کہ القرآن یفسر بعضه بعضا اور احادیث رسول بھی کثرت سے بیان کرتے۔ بعض وقت وہ ماخذ حدیث کا ذکر کرتے اور بعض وقت صرف "حدیث صحیح" کہنے پر اکتفا کرتے۔ تفسیر قرآن کے ضمن میں سنت کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وخیر مایفسر به کتاب اللّٰه ما صح عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم(۳۹) وہ دوران تفسیر بعض مقامات پر قدیم مفسرین کے اقوال و آراء کا ذکر بھی کرتے، وہ ان کی فضیلت کے معترف تھے۔ بعض مقامات پر نہایت شائستہ الفاظ میں ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ اسلاف کی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ماهو الاثمرات من اغراس اسلافنا القدیم وزهرات من ریاضهم(۴۰)

"یعنی یہ اقوال اور کوششیں ہمارے اسلاف کی کاوشوں کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔"

المراغی بالعموم زیردرس آیت میں وارد بعض تشریح طلب الفاظ کی علیحدہ وضاحت کرتے ہیں اور بعض اوقات کسی لفظ کی مختلف قراءات کا بھی بیان کرتے اور نحوی و لغوی نکتے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ پورا زور بیان آیت میں مذکور مرکزی موضوع پر صرف کردیتے ہیں۔

متشابہات قرآن میں ان کا موقف

المراغی نے متشابہات قرآن کے ضمن میں اپنے استاد محمد عبدہ کی پیروی کی ہے۔ وہ قرآن کے

مختصر اور اجمالی واقعات کی تفصیل میں جانے سے حتی الوسع گریز کرتے ہیں۔ ان جزئیات کی تفصیل کے لیے نہ ضعیف احادیث کا سہارا لیتے ہیں اور نہ اسرائیلی قصص و روایات کو بیان کرنا پسند کرتے ہیں۔ حروف مقطعات کی تفصیلی بحث میں نہیں جاتے۔ الم کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں :

هذه وامثالها من اسماء حروف الهجاء التى ابتدا بعض سور القرآن اسماء للسور المبتداة بهاو لايجوز حملها على غير ذلک (۴۱)

الم اور اس جیسے دوسرے الفاظ حروف تہجی میں سے ہیں جن سے بعض سورتوں کا آغاز کیا گیا ہے اور ان پر سورتوں کو موسوم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو دوسرے معانی پر محمول کرنا مناسب نہیں۔

آیت سارعوآ الی مغفرة من ربکم و جنة (آل عمران : ۱۳۲) کی تفسیر کرتے ہوئے جنت کے بارے میں اتنے بیان پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن کے ظاہری الفاظ سے ذہن میں آتا ہے اور اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کردیتے ہیں۔ والبحث فى هذا لافائدة له ولاطائل تحته (۴۲)

"یعنی اس بحث کا نہ کوئی فائدہ ہے نہ کوئی مقصد۔"

آیت کتب علیکم الصیام کما کتب على الذين من قبلكم (البقرہ : ۱۸۳) کی تشریح میں آیت کے ظاہری مفہوم پر اکتفا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام گذشتہ پر بھی روزے فرض کیے گئے تھے لیکن اس کی کیفیت اور مقدار کے بارے میں قرآن میں وضاحت نہیں کیونکہ حرف تشبیہ سے تمام امور و معاملات اور پہلوؤں میں مماثلت لازم نہیں آتی۔ (۴۳)

ولقد اتينا لقمان الحكمة (لقمان : ۱۲) اس آیت کی تفسیر میں المراغی سے قبل مفسرین نے لقمان کی شخصیت اور قومیت کے بارے میں متعدد آراء و اقوال پیش کیے ہیں۔ لیکن المراغی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یہ تمام روایات جو ان کی شخصیت سے منسوب کی گئی ہیں غیر مستند ہیں۔ حضرت لقمان کی شخصیت اور عظمت ان سب سے مستغنی ہے۔ (۴۴)

هو الذى خلق السموت والارض فى ستته ايام (الحدید : ۴) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آیت میں مذکور "ایام" سے یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ آیا یہ دن ہمارے دنوں کی طرح تھے یا اس سے مختلف۔ اس کی حقیقت کا علم صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اس کی تحدید سے اجتناب کریں۔ اگر ان ایام کی جنس کے تعین اور ان ایام میں جو کچھ قدرت نے کیا اس کی تفصیل بتانے میں کوئی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور ہم کو اس سے باخبر کردیتے۔

یہاں صرف اس کی تخلیق سے عبرت و موعظت حاصل کرنا مقصود ہے۔[۴۵]

اجتماعی مسائل

شیخ مراغی دوران تفسیر اجتماعی مسائل کی تفصیل میں جاتے اور نہ صرف معاشرے میں موجود خرابیوں کے اسباب و علل کی نشاندہی کرتے بلکہ ان کے لیے نسخہ کیمیا بھی تجویز فرماتے ہیں۔ برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا روئے سخن بالعموم اہل حل و عقد کی طرف ہوتا جن کے جور و استبداد کے نتیجے میں معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ شیخ اولی الامر کو ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس دلاتے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ وہ حکام کی توجہ اس حقیقت کی طرف بھی منعطف کراتے ہیں کہ جب عقل انسانی کی پاسبانی کے لیے شریعت نہ ہو تو معاشرہ انتشار و افتراق کا شکار ہوجاتا اور جادۂ صواب سے منحرف ہوجاتا ہے۔ وہ تاریخ کی روشنی میں یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام کی سربلندی و عظمت کا راز ہدایت ربانی سے وابستگی و پیوستگی میں ہے جب کوئی قوم اس منارۂ ہدایت سے روگردانی کرتی ہے تو بدبختی اور شقاوت اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

قل انزله الذی یعلم السر (الفرقان: ۶) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وقددلت التجارب علی ان المسلمین سعدوا ایام ان عملوا بالقرآن واهتدوا بهدیه، وشقوا ایام ان اعرضوا عنه وترکوه ولیس حفظه و تلاوته و تجویده هوالعمل به، وانما العمل به هو فهمه، وادراک الاغراض العامة منه وملاحظة ان تکون الاعمال جمیعها فی هذه الدائرة، دائرة الحق والعدل والعلم و الرشد[۴۶]

تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے احکام قرآن پر عمل کیا، خوش بختی نے ان کے قدم چومے اور جب اس کو پس پشت ڈال دیا تو بدبختی ان کا مقدر بنی۔ قران کو حفظ کرنے، اس کی تلاوت کرنے اور تجوید سے پڑھنے پر عمل کا اطلاق نہیں ہوتا قرآن پر عمل سے مراد یہ ہے کہ پہلے اس کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس کی غرض و غایت معلوم کی جائے اور اس بات پر نظر رہے کہ اس کے تمام اعمال دائرہ حق عدل وانصاف اور علم و رشد میں رہیں۔

المراغی معاشرے کو صحیح بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیے قوت و طاقت سے تعزیرات کے نفاذ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لقد ارسلنا رسلنا.... (الحدید: ۲۵) کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ذکر الله الکتاب والمیزان والحدید و قرنها بعضها ببعض فالکتاب اشارة الی

الاحکام المقتضیة للعدل والانصاف' والمیزان اشارة الی سلوک الناس علی وفق هذا الاحکام والحدید اشارة الی مایحملهم الی اتباع هذا الاحکام اذا تمردوا(۴۷)

اس آیت میں "الکتاب" "المیزان" اور "الحدید" کا ساتھ ساتھ ذکر ہوا ہے۔ یہاں "الکتاب" سے مراد ایسے احکام ہیں جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوں۔ "المیزان" سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ لوگ ان احکام پر عمل پیرا ہوں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں اور "الحدید" میں اس بات کی طرف راہنمائی ہے کہ معاشرے کا غیر پسندیدہ عنصر جب ان احکام سے روگردانی کرے تو انہیں کس طرح اتباع احکام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے۔

وہ معاشرے کے جدت پسند اور مغرب زدہ طبقے کی منافقت اور غلط روش کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طبقہ اسلام کی ایسی تعبیر چاہتا ہے جو ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ یہ طبقہ اگرچہ زبان سے اللہ پر ایمان لاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہے لیکن عملی زندگی میں جب احکام الٰہی اور رسول ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی بات آتی ہے تو اسے رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں۔

ومن الناس من یشتری لهو الحدیث (لقمان:۶) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

من الناس فریق مومن بالقرآن اجمالا و برسالة محمد و یعظمهما و یحترمهما فاذا قلت له : ولم لاتقطع یدالسارق و یحد القاذف ولماذ الاتحکم القرآن فی الحیاة ونحن مومنون به؟ هز الکتفین فابتسم اوزاد : انها رجعیة لایحتملها تمدین العصر الحدیث (۴۸)

لوگوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو قرآن اور رسالت محمدؐ پر اجمالا اعتقاد تو رکھتا ہے اور ان کا احترام و تعظیم زبان سے بھی کرتا ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم چور کے ہاتھ کاٹنے اور تہمت لگانے والے پر حد جاری کرنے میں کیوں پس و پیش کرتے ہو اور قرآن کو اپنی زندگی میں حکم کیوں تسلیم نہیں کرتے باجوود اس امر کہ تم اس پر ایمان رکھتے ہو۔ جواباً" مسکرادیتے اور کندھے اچکاتے اور ہلادیتے ہیں یا اس سے زیادہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تمام باتیں رجعت پسندی پر دلالت کرتی ہیں عصر جدید اور تمدن نو میں ان باتوں کی گنجائش نہیں۔

معاشرے میں باہمی اخوت و محبت کے داعی ہیں۔ دوران تفسیر جہاں بھی موقع ملتا اور آیت کا مضمون اجازت دیتا تو وہ مسلمانوں کو باہم عزت و تکریم سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہیں۔ یایها

الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء (الحجرات : ۶) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جب کوئی خبر سنے تو اس کی صحت کی تصدیق کرے' کیونکہ بسا اوقات خبر کا بغیر تصدیق کے قبول کرنا باہم منافرت اور کشیدگی کا باعث بن جاتا ہے۔ حکام و امراء جن کے ہاتھ میں اپنی قوم کے معاملات کی زمام کار ہوتی ہے ان کو بالخصوص تلقین کرتے ہیں کہ وہ کوئی بات تصدیق کیے بغیر قبول نہ کریں ورنہ ان کے زیردست بھائی ان کے ہاتھوں ازیت و نقصان میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔(۴۹)

ولا تصعر خدک للناس (لقمان : ۱۸) کی تشریح میں رقم طراز ہیں کہ ان آیات میں اپنے نفس کی تربیت و تکمیل اور دوسروں کو تربیت دینے کو کہا گیا ہے اور اخلاق سیئہ سے منع فرمایا گیا ہے آخر میں فرماتے ہیں هکذا یودب اللہ عبادہ ویضمن کتابہ مافیہ سعادتھم حتی لم یترک ادبھم فی المشی والحدیث ولو کانت الحکمة التی اوتیھا لقمان والتی قصھا اللہ فی القرآن ھی التی السیادة علی الناس لکان حال العالم الیوم ارقی و ارفع واشرف واکمل و اھنا و اسعد مماھو علیہ الان(۵۰)

> اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ادب سکھاتا ہے۔ رب کائنات نے قرآن حکیم میں وہ تمام آداب بیان کردیئے جس میں اس کی مخلوق کی بھلائی ہے حتی کہ چلنے پھرنے اور گفتگو کے آداب کی تعلیم دی۔ وہ حکمت و دانائی جو لقمان علیہ السلام کو دی گئی' اگر آج لوگوں میں تھوڑی سی بھی ہوتی تو دنیا کی حالت کہیں اچھی' خوش کن اور کامل ہوتی اس حالت سے جس میں آج ہم ہیں۔

قرآن اور علوم جدیدہ

شیخ زندگی کے تمام دوائر میں اسلام کو جاری و ساری دیکھنے کے متمنی اور خواہش مند تھے۔ وہ مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو یہ درس دیتے نظر آتے ہیں کہ اگر وہ جہالت و جمود کی فضا سے نکل آئیں تو آج بھی اپنی عظمت گم گشتہ کو پاسکتے ہیں۔ کہتے ہیں :

تعلموا واعملوا اتعلموا فروع العلم جمیعھا لتنالوا الفخر والمجدد ولتکونوا اعزة واقیموا اساس الحضارةعلی العلم والدین والاخلاق قوموا بوظیفة الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۵۱)

> فخر و بزرگی حاصل کرنے کے لیے علوم کی تحصیل کرو اور حضارت کی بنیاد علم پر قائم کرو بشرطیکہ دین اور اخلاق اس کے موید ہوں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کا فریضہ ادا کرو۔

علامہ محمد کرد علی کہتے ہیں :

وکان علی مثل الیقین ان مجد الاسلام لن یکتب له الظهور ان لم یقرن بالعلم الجدید (۵۲)

"ان کو اس بات کا پختہ یقین تھا کہ اسلام کی عظمت اس وقت تک ظاہر نہ ہوگی جب تک علوم نقلیہ کے ساتھ جدید علوم کو شامل نہ کرلیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ شیخ نے اپنے دروس میں ان آیات کا بالخصوص انتخاب فرمایا جو علم کے حصول پر زور دیتی اور اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ قرآن حکیم علوم جدیدہ کی تحصیل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ سلف صالح کا نمونہ بھی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ دین اسلام نے اپنے ماننے والوں سے تمام علوم کی تحصیل کا مطالبہ کیا ہے۔ مراغی ان علماء پر تنقید کرتے ہیں جو علوم جدیدہ کی تحصیل سے مسلمانوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اسلام کے خلاف ہے۔ وہ یہ بات واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ خیال اور عقیدہ قرآن کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن اقوام نے کائنات کے اسرار و رموز کا مطالعہ کیا انہوں نے سعادت و عزت حاصل کی اور ان سے اعراض و اغماض ہی ذلت و نکبت کا سبب بنا۔ کہتے ہیں :

وانی انصح قومی واهل ملتی بتوجیه الجهود الی الدراسات العلمیه استشهادما اودعه الله جل شانه فی معادن الارض ونباتها و حیوانها وما اودعه فی الهواء والضوء و غیر ذلک من الموجودات فذلک خیر ممانحن فیه دینا و دنیا (۵۳)

میں اپنے اہل وطن کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی تمام تر کوشش تحصیل علم میں لگادیں اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین کے اندر' نباتات و حیوانات' ہوا اور روشنی میں ودیعت فرمائی ہیں ان کا کھوج لگائیں اور ان سے استفادہ کریں' اس طرح ہم دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے موجودہ حالت سے بہتر ہوجائیں گے۔

واعدو الهم ما استطعتم من قوة (الانفال : ۶۰) کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قوت کی تعبیر و تشریح زمانے اور وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس تیاری میں دوسری قوموں سے پیچھے نہ رہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ معلوم کریں کہ آج اگر دشمن سے مقابلہ کرنا ہو تو کس قسم کے ہتھیار درکار ہوں گے اور ان کو کس طرح بنایا اور بہتر طریق سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (۵۴)

جدید علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ وہ قرآن' لغت عربی اور دوسرے نقلی علوم کی تحصیل پر

زور دیتے ہیں۔ وہ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے صرف اسی قدر تفصیل میں جاتے ہیں جتنی وہ قوم کو آمادہ اور بیدار کرنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں:

ولیس من غرض مفسر کتاب اللہ ان یشرح عالم السموات وماده وابعاده واقداره واوزانه لکنه یحب ان یلم بطرف یسیر منه لیدل به علی القدرة الالهیة ویشیر الیه للعظة والاعتبار (۵۵)

قرآن کے مفسر کا یہ کام نہیں کہ وہ آسمانوں کی تشریح میں گم ہوجائے' اس کے فاصلوں وزن اور مادے کی بحث میں پڑجائے' بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ ان آیات کی تفصیل کو اسی قدر بیان کرے جو اللہ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہو اور اس میں کوئی عبرت و موعظت کا پہلو ہو۔

بعض مفسرین کی طرح قرآن کو فلسفے کے تابع کرنے اور ہر نئے نظریے کو کھینچ تان کر قرآن سے ثابت کرنے کے رجحان کے وہ سخت مخالف ہیں۔ کہتے ہیں:

"جب کبھی دنیا میں کوئی نئی اور انوکھی فکر منظر عام پر آتی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح اس کا تعلق اور ثبوت قرآن سے دیا جائے۔ یہ انداز فکر کتنا غلط ہے' کیونکہ انسانی علوم و معارف غیر مبدل اور اٹل حقیقتیں نہیں بلکہ ان میں تغیر و تبدیلی آتی رہتی ہے اور بعض وقت ایک فکر دوسری فکر کی بحث کی کلی طور پر نفی کردیتی ہے جبکہ قرآن حکیم کے تمام اصول اٹل ہیں اور ان کی صحت میں ذرہ برابر شبہ کی گنجائش نہیں' بلاشبہ قرآن اخلاق فاضلہ کی تخم ریزی کرتا اور علم و ہدایت کی راہیں ہمارے سامنے کھولتا ہے اور بعض وقت قرآن کی بعض آیات کے بہتر فہم کا دارومدار علوم فلکیہ و طبعیہ کے جاننے پر منحصر ہوتا ہے لیکن ان آیات کے بہتر فہم کا دارومدار ان علوم و معارف کو حرف آخر اور قطعی قرار دینا نہیں۔ قرآن تو کتاب ہدایت ہے جو خالق و مخلوق اور باہم بندوں کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق استوار اور مضبوط کرتی ہے۔ (۵۶)

فقہی مسائل

شیخ اگرچہ حنفی مسلک کے تھے لیکن یہ وابستگی تقلید کی حد تک نہیں تھی' نیز وہ دوسرے مذاہب کے بھی قدر دان تھے۔ فقہی مسائل میں متقدمین کی وہ آراء جنہیں درست سمجھتے' تسلیم کرلیتے۔ لیکن بعض اوقات وہ خود بھی اجتہاد کرتے اور تقلید کو ناپسند کرتے۔ اجتہاد کی تائید میں وہ

اسلاف کے مسلک کو پیش کرتے جنہوں نے پیش آمدہ مسائل کا حل کامل حریت سے کام لے کر قرآن و سنت کی روشنی میں کیا۔[۵۷] وہ ان علماء کو ہدف تنقید بناتے ہیں جنہوں نے اس تصور کو مسلمانوں میں عام کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند ہوچکے ہیں اور تقلید کے سوا چارہ نہیں۔ اس تصور نے مسلمانوں کو قوت فکر اور عمل دونوں سے محروم کیا۔ کہتے ہیں:

انهم استكانوا فى القرون الاخيرة الى الراحة وظنوا ان لا مطمح لهم فى الاجتهاد فاقفلوا ابوابه و رضوا بالتقليد و عكفوا على كتب لايوجه فيها روح العلم و جهلواطرق التفكير الحديثة وطرق البحث الحديث[۵۸]

گذشتہ صدیوں میں مسلمان عمل سے بے نیاز ہوگئے اور انہوں نے خیال کیا کہ اجتہاد کے دروازے بند ہوچکے ہیں۔ لہٰذا تقلید پر راضی ہوگئے' اور ایسی کتابوں کے اسیر ہوگئے جو علم کی روح سے بیگانہ تھیں اور انہوں نے سوچ و فکر کے جدید طریقوں پر عمل کرنے سے پہلوتہی کی۔

المراغی نے اپنے دروس میں ان آیات کو بھی موضوع بحث بنایا جو تقلید کی مخالفت اور اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتی ہیں۔

حواشی

۱۔ المجددون فی العالم الاسلام' ۵۴۵' الشیخ المراغی' ۵' ۱۰۳' ۱۱۲' الاعلام ۷: ۳۲۴

۲۔ الشیخ المراغی' ۱۰۳

۳۔ الشیخ المراغی' ۵' ۱۰۳

۴۔ الشیخ المراغی' ۶' ۱۴۸

۵۔ الشیخ المراغی' ۶' ۱۰۳' الاعلام' ۷: ۳۲۴

۶۔ ایضاً'' ۱۰۳' ۱۱۵

۷۔ ایضاً'' ۱۱۷

۸۔ ایضاً'' ۱۱۶

۹۔ ایضاً'' ۷' ۱۱۶

۱۰۔ ایضاً'' ۷' ۱۱۷

۱۱۔ الاعلام' ۷: ۳۲۴' المجددون' ۵۴۸

۱۲۔ معجم المولفین' ۱۲: ۳۴

۱۳۔ الشیخ المراغی، ۹
۱۴۔ المجددون، ۵۴۸
۱۵۔ الشیخ المراغی، ۱۲۰
۱۶۔ ایضاً، ۱۰۵، ۱۲۰
۱۷۔ الشیخ المراغی، ۱۲۰۔۱۲۱
۱۸۔ الاعلام، ۷: ۳۲۴، المراغی، ۱۲، ۱۲۱
۱۹۔ الشیخ المراغی، ۱۴
۲۰۔ مجلۃ الازہر ۱۳۵۴ھ ص، ۲۸۰۔۲۸۱
۲۱۔ الشیخ المراغی، ۱۵
۲۲۔ الشیخ المراغی، ۲۱۔۲۵، ۲۹، ۴۰
۲۳۔ ایضاً، ۵۴
۲۴۔ ایضاً، ۱۳۷
۲۵۔ الشیخ المراغی، ۱۳۷
۲۶۔ الاجتہاد فی الاسلام مقدمہ، ۷
۲۷۔ ایضاً، ۸
۲۸۔ المجددون فی الاسلام، ۵۴۹
۲۹۔ الشیخ المراغی، ۸۰
۳۰۔ ایضاً، ۱۳۲
۳۱۔ حدیث رمضان، ۱۹، التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۷
۳۲۔ اتجاہ التفسیر فی العصر الحدیث، ۹۵، ۹۶، ۹۷
۳۳۔ الاعلام، ۷: ۳۲۴، الشیخ المراغی، ۲۴۹
۳۴۔ شیخ کی وفات پر مختلف تنظیموں اور حلقوں کی طرف سے خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کیا گیا۔ ابوالوفا المراغی نے ان تمام بیانات و تحریات کو "الشیخ المراغی" میں جمع کردیا ہے۔
۳۵۔ التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۰
۳۶۔ حدیث رمضان، ۷
۳۷۔ ایضاً، ۷۔۸

۳۸۔ اتجاہ التفسیر فی العصر الحدیث، ۱۰۳
۳۹۔ حدیث رمضان، ۴۹
۴۰۔ حدیث رمضان، ۴، اتجاہ التفسیر، ۹۳
۴۱۔ حدیث رمضان، ۴۶
۴۲۔ التفسیر والمفسرون، ۳: ۲۶۳
۴۳۔ اتجاہ التفسیر، ۹۴
۴۴۔ حدیث رمضان، ۶۶۔۶۷، اتجاہ التفسیر، ۹۴۔۹۵
۴۵۔ حدیث رمضان، ۱۵۸
۴۶۔ حدیث، ۱۹
۴۷۔ حدیث رمضان، ۱۹۴
۴۸۔ حدیث رمضان ۵۶، اتجاہ التفسیر، ۹۷۔۹۸
۴۹۔ حدیث رمضان، ۱۲۶
۵۰۔ حدیث رمضان، ۷۷
۵۱۔ مجلۃ الازہر، ۱۳۵۷ھ، ص، ۸
۵۲۔ الشیخ المراغی، ۱۲۷
۵۳۔ حدیث رمضان، ۱۳
۵۴۔ حدیث رمضان، ۱۴۴
۵۵۔ حدیث رمضان، ۶۲
۵۶۔ الشیخ المراغی، ۱۳۹۔۱۴۰
۵۷۔ الشیخ المراغی، ۲۶۔۲۷
۵۸۔ الشیخ المراغی، ۱۳۱

عقل کا دارومدار حواس خمسہ پر ہے حواس خمسہ کے ذریعہ جو معلومات فراہم ہوتی ہیں عقل ان سے کلیہ اور نتیجہ اخذ کرتی ہے' عقل کہتے ہی اس کو ہیں جو انسان کے محسوسات سے حاصل شدہ باتوں کا نتیجہ نکالتی ہے لہٰذا حواس جب اپنا کام کرنا بند کردیں گے عقل بھی معطل ہوجائے گی کیونکہ معقولات کے لئے محسوسات کا سرمایہ ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے بہت سے مدعیان عقل ناواقف ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عقل کوئی مستقل بالذات شئے کا نام ہے۔ گویا وہ اپنا کام بغیر کسی دوسری قوت کی مدد کے خودبخود کرتی ہے۔ موجودہ فلسفہ نے ثابت کردیا ہے کہ بغیر حواس خمسہ کی مدد کے عقل بے معنی لفظ ہے اور اس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

(تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب ـــ سید ابوالحسن ندوی)